از پروفیسر عبدالحفیظ صاحب

اسلامی تعزیرات —— نفاذ سے گریز کیوں؟

کچھ پکے سیاست دانوں اور کچھ مذہبی رہنما بھی اپنے بیانات میں اس بات کا برملا اظہار کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ فی الحال اسلامی تعزیرات کو نافذ نہ کیا جائے۔ عبوری حکومت نے جب کوڑوں کی سزا کا آغاز کیا تو ملک میں ایک شور برپا ہو گیا۔ ایک دہائی اور پکار تھی غریب مارے گئے! سرمایہ دار بچ گئے جب تک معاشرے کے حالات سازگار نہیں ہو جاتے، ملک سے غربت کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک اسلامی سزاؤں کا نفاذ نہیں ہونا چاہیئے[1]۔ ساتھ ہی لمبی لمبی تقریروں میں وہی سیاست دان اس بات کو بھی دہراتے چلے جاتے ہیں۔ کہ "نظام مصطفےٰ" نافذ کرو۔ اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ —— یہ سب مذہبی اور سیاسی جماعتوں کا نعرہ ہے۔ مگر جب اس نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی صورت سامنے آتی ہے۔ تو طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے اسے سبوتاژ کیا جاتا ہے۔ اسلامی نظام کے کُلّی نفاذ میں کچھ امور وضاحت طلب ہو سکتے ہیں۔ مگر فی الفور اسلامی تعزیرات کے نفاذ سے کوئی آسمان نہیں ٹوٹ پڑے گا، بلکہ معاشرے کی اصلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسلامی تعزیرات کو مارشل لاء کے ایک ضابطہ کے تحت نافذ کر دیا جائے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوئی نرمی (مداہنت) نہ اختیار کی جائے۔

غربت ایک بہانہ ہے یا حقیقت؟ یہ کہنا کہ ہمارے معاشرے کی حالت ٹھیک نہیں۔ یا غربت کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا، اس لئے کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹنا چاہیئے۔ محلِ نظر ہے۔ یہ ایک یقینی بات ہے کہ پاکستان میں کوئی آدمی بھوک سے دم نہیں توڑتا اور نہ انتہائی غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر چوری کرتا ہے۔ ہمارا معاشرہ عادی مجرموں، پیشہ ور چوروں اور ڈاکوؤں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ہر چوری کے کیس کی مکمل تفتیش ہو۔ جہاں کہیں ایسا ثبوت مل جائے کہ کسی شخص نے فاقہ کشی سے

---

[1] اگر واقعی یہ معقول معذرت ہے تو دوسری سزائیں دی جا رہی ہیں اس کے لئے کیا وجہ جواز رہ جائیگی؟ (مدیر)

مجبور ہو کر کھانے پینے کا کچھ سامان چرا لیا ہے۔ اور واقعی اس کے بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔ یا اس کے اہل و عیال تین چار دن سے فاقہ کشی کر رہے تھے۔ تو وہ چوری کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہے۔ تو کون کہتا ہے کہ اس آدمی کا ہاتھ کاٹ دو۔[1] حضرت عمرؓ کی مثال تاریخ میں موجود ہے کہ ایسے ہی ایک موقع پر آپؓ نے چوری کے جرم میں ہاتھ نہیں کاٹا۔ بلکہ اس چور کے پڑوس کی مذمت کی کہ اس نے حق ہمسائیگی ادا نہیں کیا۔ اور آنحضرتؐ کے اس فرمان پر عمل نہیں کیا۔

لیس المومن الذی یشبع وجارہ الیٰ جانبہ جائع۔

(وہ ہرگز مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے۔ اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا سوتا ہے)

فاقہ کش یا غریب اور مفلس عوام بنکوں کو کبھی نہیں لوٹتے۔ یہاں دن دیہاڑے بنک لوٹ لئے جاتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں روپے کی دوکانیں رات کو محض اس لئے نہیں توڑی جاتی ہیں کہ وہ لٹیرے غریب، قلاش اور فاقہ کش ہیں۔ بلکہ یہ پیشہ ور چوروں کے کرتوت ہیں۔ اور ان کے سرپرست بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار ہیں۔ کہیں پولیس خود، جو کہ شہریوں کے جان و مال کی محافظ ہے اس میں ملوث ہوتی ہے۔ دیہات میں خصوصاً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہاں وڈیروں اور جاگیرداروں کی آپس میں ٹھنی رہتی ہے اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لئے وہ اپنے مزارعین اور نوکروں چاکروں کو چوری کی ترغیب دیتے ہیں۔ خود سرگروں کا رول ادا کرتے ہیں۔ منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ آس پاس کے دیہات کے لوگ ان کے دست نگر رہیں۔ اگر کبھی کسی غریب آدمی کو جائز شکایت بھی ہو تو وہ تھانے دار کے پاس اس زمیندار یا وڈیرے کی وساطت کے بغیر جاتے ہوئے بھی خوف کھاتا ہے، رپٹ درج کرانی مقصود ہو، یا پرچہ درج کرنا ہو، جب تک اس علاقہ کا چودھری اس کی سفارش نہیں کر دیتا تھانے دار صاحب اس کے کام آنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ بعض علاقوں میں ابھی تک چوری کو بہادری کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ جب تک خاندان کا نوجوان چوری کے ذریعے کسی کا بیل، گائے یا گھوڑا نہیں کھول لیتا۔ وہ جوان تصور نہیں کیا جاتا۔ اور جب تک کسی لڑکی کو اغوا نہ کر لے شادی کے قابل نہیں گردانا جاتا۔ ان حالات میں بتائیے کہ کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں غربت کی بنا پر چوریاں ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہاں ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ نہیں ہونی چاہئیے۔ اگر

---

[1] شریعت میں چور کا ہاتھ کاٹنا شرعی شرائط کے ساتھ ہے۔ نظام تعزیرات نافذ کرنے کی صورت میں ایسے چور کا ہاتھ کاٹنا جائز ہی نہ ہو گا۔

معاشرے کو سنوارنے کی شرط پر ان تعزیرات کے نفاذ کو ہم آئندہ پر ٹالتے رہے تو یہ آپ دیکھیں گے کہ ایک ہزار سال میں بھی یہ معاشرہ درست نہ ہو سکے گا۔ کیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معاشرے میں ان تعزیرات کو نافذ نہ کیا تھا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے حالات کا تقاضا یہ ہو سکتا تھا کہ ابھی معاشرہ پوری طرح تیار نہیں۔ غربت و افلاس کا خاتمہ پوری طرح نہیں ہو پایا۔ لوگوں کے دل و دماغ میں زمانہ جاہلیت کے جرائم کے نقوش اس قدر پختہ ہیں کہ ابھی ان کے لئے یہ سزائیں نافذ کرنا پیش از وقت ہوگا۔ بلکہ اس کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے معاشرے کی ان جعلی معذرتوں کی ان معنوں میں پروا نہیں کی۔ جن کا واسطہ یہ سیاستدان دے رہے ہیں۔ ممکن تھا کہ رسول کریمؐ فرما دیتے کہ میں تو صرف معاشرے کی اصلاح کے لئے آیا ہوں۔ میرے بعد جب معاشرے کے حالات صحیح معنوں میں سازگار ہو جائیں گے تو ان سزاؤں کو نافذ کر دیا جائے[لہ]۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے محض تیئس سالوں میں دین کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اور ہم پاکستان میں ۳۰ سالوں سے معاشرے کو سنوارنے کا کام ہی کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ! بخاری و مسلم میں ہے کہ جب بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور ثبوت فراہم ہو گیا تو عورت نے اقرار جرم کر لیا۔ رسول اکرمؐ نے قرآن کا حکم نافذ کرتے ہوئے اس عورت کا بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ اس سزا کے نفاذ پر متحیر تھے۔ آپس میں مشورے بھی ہوئے کہ رسول اکرمؐ سے درخواست کی جائے کہ عورت کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ کوئی جرمانہ کر دیا جائے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو آنحضرتؐ کے چہیتے تھے۔ ان کو اس کام پر مامور کیا گیا۔ اس لئے کہ کسی دوسرے صحابی کو آنحضرتؐ کے پاس سفارش لے جانے کی جرأت نہ تھی۔ حضرت اسامہؓ نوجوان تھے۔ بڑے بوڑھوں کی باتوں میں آ گئے۔ رسول اکرمؐ کے پاس حاضر ہو گئے۔ صحابہؓ کی آرزو پیش کی۔ رسول اکرمؐ نے جونہی حضرت اسامہؓ کی زبان سے قرآن مجید کی مقرر کردہ

[لہ] معاشرہ کی اصلاح خود الٰہی قوانین کے نفاذ پر ہے۔ تعزیرات اور حدود اللہ معطل رہیں اور انتظار کیا جائے کہ معاشرہ پہلے اس قابل ہو جائے۔ سیاست دانوں کی عجیب منطق ہے۔ اصل بات وہی ہے جو فاضل مضمون نگار نے لکھی ہے کہ یہ جرائم بھوک و ننگ جیسے اضطرار کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ اخلاقی ابتری کا نتیجہ ہیں۔

[ٹہ] تاریخی طور پر جائزہ لیں تو شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا دور غربت کی بھی مثالی ہی ہوگا۔ لیکن غربت کی بنا پر کوئی چوری بھی اس دور کی ایک نادر صورت ہی ہے۔ جس کی بناء پر چور کو حد سرقہ نہ لگائی گئی تھی۔

حد کو بدل دینے کی بات سنی، چہرہ انور متغیر ہو گیا، غصہ کے عالم میں فرمایا۔ اے اسامہ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ ۔ وَايْمُ اللهِ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

"تم اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سفارش لے کر آئے ہو۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

گویا پیغمبر کو بھی سزا تبدیل کرنے کا حق نہیں۔ اگر حالات کی بات درست ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صنفِ نازک پر ضرور رحم فرماتے۔ یا قرآن میں چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کے نازل ہونے کے بعد پہلا واقعہ سمجھ کر درگزر فرما دیتے۔ لیکن یہی صحیح اسلامی سپرٹ یہی ہے کہ جب جرم ثابت ہو جائے عدالت کے دروازے کھٹکھٹا دیئے جائیں۔ مجرم اعترافِ جرم کر لے۔ اس وقت کسی انسان حتیٰ کہ پیغمبرِ وقت کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں کوئی ترمیم کر سکیں۔ یا اس میں اپنی رائے سے کمی بیشی کر دے۔ قرآنِ حکیم واشگاف الفاظ میں کہتا ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللهِ

(سورۃ مائدہ - ۳۸)

(اور چور مرد ہو یا عورت! دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ اللہ کی طرف سے اس جرم کی سزا ہے۔ جو اس سے سرزد ہوا)

مجبوروں کا ہاتھ:- ہاں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر کوئی انسان حالات سے مجبور ہو کر غربت و افلاس کے ہاتھوں یا فاقہ کشی سے تنگ آ کر ایسی چھوٹی موٹی چوری کا مرتکب ہو۔ جس سے اس کا منشا ہی پیٹ کی دوزخ میں ایندھن ڈالنا ہو تو اسے ہرگز ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائیگی۔ جج صاحبان خود چوری کے پس منظر اور پیش منظر سے واقف ہونے کے بعد ایسے آدمی کی سزا معاف کر سکتے ہیں کہ اسلام اس قسم کے ظلم کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن جہاں عادی مجرموں، پیشہ ور چوروں جیب کتروں اور رسہ گیروں کا ثبوت فراہم ہو جائے۔ تو ان کے ہاتھ کاٹنے میں ذرہ بھر دیر نہیں کرنا رائج الوقت قانون کی بے بسی میں اکثر یہی ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی مجرم عین رنگے ہاتھوں پکڑا بھی جائے۔ تو رائج الوقت قانون کے تقاضے کچھ ایسے بے ہنگم ہیں کہ وہ اس مجرم کو پیشہ ور بنا کر چھوڑتے ہیں۔

الیف۔ آئی۔ آر درج ہوتی ہے۔ پولیس حکام تفتیش کے لئے ریمانڈ لیتے ہیں۔ اگر مقدمہ عدالت کے پاس چلا بھی جائے۔ تو دو تین سال محض جیل کی قید ہی اس انسان کو مجرم بنانے کے لئے کافی ہوتی ہے اگر اس کے بعد وہ بری بھی ہو جائے تو متوازن زندگی بسر کرنا اس کے بس کی بات نہیں رہتی۔ دوسری

طرف اگر وہ واقعتہً مجرم ہے تو پھر اس کو خواہ مخواہ دو تین سال عدالتوں کے چکر اور جیل کی چار دیواری میں رکھنا بھی ایک ناانصافی ہے انگریزی کا مشہور مقولہ ہے "JUSTICE DELAYED IS NO JUSTICE" (انصاف میں تاخیر انصاف کی نفی ہے) اس لحاظ سے صرف اسلامی سزا اور اسلامی طریق انصاف ہی وہ قاعدہ ہے کہ جس سے بے گناہ کو تو جلد چھٹکارا مل جاتا ہے۔ لیکن ایک گنہگار یا مجرم جلد سے جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ بات باقی انسانوں کے لئے بھی تازیانہ عبرت ثابت ہوتی ہے۔

رجم۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت زیدؓ بن خالد جہنی سے روایت ہے۔ دو اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئے۔ ایک نے کہا۔ میرا بیٹا اس آدمی کی بیوی سے زنا میں ملوث ہو گیا ہے۔ جس سے اس نے ۱۰۰ بکریاں اور ایک لونڈی لے کر رہا کر دیا۔ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ بکریاں اور لونڈی تجھے ہی ملیں گی۔ تیرے بیٹے کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی۔ پھر آپؐ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو فرمایا۔ اے انیس جا کر اس کی بیوی سے پوچھو۔ اگر وہ جرم کا اعتراف کرے تو اسے رجم کر دے۔ بدو کی بیوی نے اعتراف کیا اور رجم کر دی گئی (بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

ہم ان ہمدردوں سے پوچھتے ہیں کہ جو لوگ معاشرے کی اصلاح کا بہانہ بنا کر اسلامی تعزیرات کے نفاذ کو ملتوی رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے دل اسلام کی حقانیت سے خالی تو نہیں ہیں۔ اسلام پورے کا پورا ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ اگر آدھا حصہ آج نافذ کیا جائے اور آدھا آنے والے کل پر چھوڑ دیا جائے تو اسلام کبھی اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں نافذ نہیں ہو سکتا۔ اسلام میں آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والی بات نہیں ہے بلکہ ؎

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا سراسر موم یا سنگ ہو جا

اللہ کا ارشاد ہے:

"یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ"

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو)

اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسلام کو بطور مکمل نظامِ حیات کے قبول کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہمیں بھی یہ وارننگ دی جائے:

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ"

(بقرہ - ۸۵)

(کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو پس ایسے (منافقوں) کی سوائے اس کے اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ انہیں اس دنیا کی زندگی میں ذلیل اور رسوا کیا جائے - اور یوم آخرت میں ان کے لئے اس سے بھی سخت ترین عذاب ہوگا)

خوئے بد را بہانہ بسیار - اگر حقیقتِ حال کا جائزہ لیا جائے - تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مسلمان آج یہود اور نصاریٰ کے نقشِ قدم پر (حذو النعل) گامزن ہیں - نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی حد تک تو ہم کتاب اللہ کو مان رہے ہیں - مگر جہاں تک زکوٰۃ، عشر کے اجتماعی نظام کے نفاذ کا تعلق ہے - اس کے لئے ہم آسانی سے تیار نہیں - سود کی لعنت بھی اس بہانے جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں بیرونی ممالک کے ساتھ تعلقات متاثر ہوں گے - چین میں اندرون چین سود کا لین دین سرے سے غائب ہے - ۸۰ کروڑ انسان نہ جانے کس طرح سود کے بغیر معاشرے میں زندہ ہیں - اور ایک ہم ہیں کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں - ایں و آں کر کے اس قبیح جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں - جس نے معاشرے کا خون چوس لیا ہے - یہی حال شراب خانماں خراب کا ہے -

اعلان تو کر دیا کہ اس ملک میں شراب حرام ہے مگر شراب کی سمگلنگ ابھی تک جاری ہے - نہ اعلان کرنے والے مخلص تھے اور نہ پینے والوں پر اس کا کوئی اثر ہوا - اس لئے کہ قانوناً جس چیز کو ممنوع کیا گیا - اس کے لئے تعزیر نافذ نہیں - اگر دو چار شرابیوں کو ۴۰ یا ۸۰ کوڑے سرعام لگا دیئے جائیں تو دو دن میں شراب بند ہو سکتی ہے - اس کی ابتدا سب سے پہلے معزول وزیر اعظم سے ہونی چاہیئے - جس نے جلسہ عام میں ہزاروں انسانوں کے سامنے واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا تھا "کہ ہاں تھوڑی سی پیتا ہوں (جلسہ عام لاہور) شراب پیتا ہوں - لوگوں کا خون نہیں پیتا - (فیصل آباد) بعد میں واقعات نے ثابت کر دیا کہ شراب کے ساتھ بندوں کا خون بھی پیتے ہیں - زلزلہ زدگان اور سیلاب زدگان کے سلسلے کی اعانتیں اپنے ہی اکاؤنٹ میں جمع کراتے ہیں - اور قومی خزانہ سے اپنی جماعت اور ذاتی اغراض کے لئے ذاتی مفاد بھی حاصل کرتے ہیں - لاکھوں اور کروڑوں کے حساب سے -

کیا اسلامی سزائیں ظالمانہ ہیں؟ معاشرے کی اصلاح کی صرف ایک صورت ہو سکتی ہے۔ کہ اسلامی تعزیرات کو جلد سے جلد نافذ کیا جائے۔ زنا ہمارے معاشرے میں اس قدر رواج پا گیا ہے کہ دن دہاڑے عصمت و عفت کے دامن تار تار ہو رہے ہیں۔ مگر ظالم اور مجرم اس معاشرے میں دندناتے پھرتے ہیں۔ وہ ضمانت پر رہا ہو کر مقدمات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بے گناہ مجرم اور مجرم باعزت شہری قرار پاتے ہیں۔ اسلامی سزاؤں کے بارے میں ایک عام تاثر یہ دیا جاتا ہے۔ کہ سزائیں وحشت ناک ہیں ہم اس مہذب دور میں ان پر کیسے عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ مہذب دنیا کے رہنے والے آج خود اس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ کہ جرائم کا قلع قمع کیسے ہو؟ اگر یورپ کی روشن خیالی، تعلیم اور تہذیب و شائستگی سے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی بجائے اُن سے پیار و محبت سے جرائم ختم ہو سکتے تو یورپ کے سارے ممالک میں کوئی مجرم نظر نہ آتا۔ اور کوئی جرم ان ممالک میں دیکھنے کو نہ ملتا۔ مگر یورپ میں جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ صرف تہذیب و شائستگی کا دامن تھام لینے سے جرائم کا قلع قمع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہمیشہ سخت تعزیرات ہی سے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور ہوگی۔

رسول اکرمؐ کے زمانہ میں ہی زنا کے جو بھی واقعات رونما ہوئے، جرم ثابت ہونے پر آنحضرتؐ نے قرآن کے فرمان کے مطابق زنا کی حد جاری کی (قبیلہ غامدیہ (جو بنو جہینہ کی شاخ ہے) کی عورت نے جب کھلے طور پر جرم کا اعتراف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ تو آپؐ نے بچے کی پیدائش تک عورت کو انتظار کرنے کا حکم دیا۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ ندامت کی ماری پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؐ نے کہا جاؤ بچے کو دودھ پلاؤ۔ دودھ چھڑانے کے بعد آنا۔ دودھ چھڑانے کے بعد حاضر ہوئی اور عرض کیا مجھ پر حد جاری کی جائے۔ آپؐ نے بچے کو پرورش کے لئے ایک شخص کے حوالے کیا۔ اور عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ رجم سے وہ عورت فوت ہو گئی۔ تو آپؐ نے خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ خالد بن ولیدؓ نے غامدیہ کا ذکر برائی سے کیا تو آپؐ نے فرمایا

"مهلاً یا خالد! والذی نفسی بیدہ لقد تابت توبة لوتابها صاحب مكس لغفر له"

(خالد صبر کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے۔ کہ اگر ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والا بھی وہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا) (مسلم)

عمران بن حصینؓ کی روایت ہے۔ کہ جب حضرت رسول اکرمؐ نے غامدیہ کا جنازہ پڑھنے کی تیاری کی۔ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ کہ آپؐ زانیہ کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے عمرؓ!

لقد تابت توبۃ لو قسمت بین اھل المدینۃ لوسعتھم ۔ (مسلم)

(اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر اہل مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہو گی)

دوسرا مشہور واقعہ ماعز بن مالک اسلمی کا ہے ۔ ماعز قبیلہ اسلم کا ایک یتیم لڑکا تھا جس نے ہزال بن نعیم کے ہاں پرورش پائی تھی ۔ یہاں وہ ایک آزاد کردہ لونڈی سے زنا کر بیٹھا ۔ حضرت ہزال نے کہا ۔ جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گناہ کی خبر دے ۔ شاید وہ تیرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں ۔ اس نے جا کر مسجد نبوی میں اقرار گناہ کیا ۔ اور کہا مجھے پاک کر دیجئے ۔ آپؐ نے منہ ایک طرف کر لیا ۔ اور فرمایا " ویحك ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ ۔ جا اور جا کر اللہ سے توبہ و استغفار کر ۔ ماعز نے پھر دوسری دفعہ سامنے ہو کر اعتراف کیا ۔ آپؐ نے پھر منہ پھیر لیا ۔ اس نے تیسری بار اقرار کیا ۔ آپؐ نے پھر منہ پھیر لیا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے اُسے متنبہ کیا ۔ کہ اگر چوتھی بار تو نے اقرار کیا تو رسول کریمؐ حد جاری کر دیں گے ۔ ماعز نے پھر اعتراف گناہ کر لیا ۔ اب رسول کریمؐ نے مختلف سوالات کے ذریعے یہ جانچا کہ یہ شخص پاگل تو نہیں ۔ جب ثابت ہو گیا ۔ پاگل نہیں تو آپؐ نے اُسے رجم کرنے کا حکم دے دیا ۔ آنحضرتؐ نے ماعز کی نماز جنازہ پڑھائی ۔ حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ۔

" استغفروا لماعز بن مالك لقد تاب توبۃ لو قسمت بین امۃ لوسعتھم "۔

(ماعز بن مالک کے حق میں دعائے مغفرت کرو ۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ پوری امت پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہو گی ۔)

ان دو واقعات سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ رسول اکرمؐ نے اعترافِ جرم جو چار شہادتوں کا درجہ رکھتا ہے معترف پر شریعت کی حد نافذ کی ۔ اس میں کسی قسم کی نرمی اختیار نہ فرمائی ۔ یہی قرآن کا منشا ہے ۔ سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

" اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (النور :

(زانیہ اور زانی میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین میں کسی قسم کی نرمی اختیار نہ کرو ۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو ۔ اور مومنین کا ایک گروہ ان کے عذاب کا مشاہدہ کرے ۔)

اس آیت کے تجزیے سے تین احکامات صاف اور واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔ آیت میں فوجداری قانون کے لیے بھی "دین اللہ" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صرف نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ ہی دین نہیں ہیں۔ مملکت کا قانون بھی دین ہے۔ دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز ہی قائم کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا قانون اور نظام شریعت قائم کرنا بھی دین ہے۔ جہاں یہ چیز قائم نہ ہو وہاں نماز اگر قائم ہو بھی تو گویا ادھورا دین قائم ہوا۔ جہاں اس کو رد کر کے دوسرا کوئی قانون اختیار کیا جائے وہاں کچھ اور نہیں خود دین اللہ کو رد کر دیا گیا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ/ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ/ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ/

(جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ وہ لوگ کافر ہیں وہ ظالم ہیں وہ فاسق ہیں)

جو لوگ جو اسلامی تعزیرات کے نفاذ سے الرجک ہیں، سود، شراب، جوا، زنا، اور دوسری لعنتوں کو معاشرے سے ختم کرنا نہیں چاہتے۔ عوام کو صرف نماز روزے کی چھٹی دے کر نظام مصطفٰے کے نافذ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ اللہ، قرآن، رسول اکرمؐ اور عوام سے انصاف نہیں کرتے۔ بقول قرآن:

"فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا"

(ان کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے اور اللہ ان کی بیماری کے بڑھنے کے اسباب انہیں مہیا کرتے رہتے ہیں)

اور اللہ کا فیصلہ منافقوں کے بارے میں بہت واضح ہے۔ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔

قرآن نے ایسے منافقوں کے انجام سے بھی خبردار کیا ہے۔ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

ثابت ہوا کہ اسلامی تعزیرات سے گریز ایک بہت بڑی منافقت ہے جو لیڈر اس قسم کے بیان دے رہے ہیں کہ ابھی معاشرہ کی حالت ٹھیک نہیں۔ وہ پاکستانی عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اسلام سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ محض کرسی کی خاطر اسلام اسلام کی رٹ لگا رہے ہیں ؎

رُخ پر نقاب مصلحتوں کے پڑے ہوئے
لب پہ زمانہ سازی کی مہریں لگی ہوئیں!

جیسے زبان و دل میں کوئی ربط ہی نہیں۔ اس منافقت کے ہاتھوں آج ہم دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں۔

آیت سے دوسری بات یہ ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں یا اس کی متعین کی ہوئی سزاؤں میں کسی قسم کی نرمی یا مجرم کے لئے رحم اور شفقت کا کوئی جذبہ سزا نافذ کرنے میں مزاحم نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ نے جو سزا تجویز فرمائی ہے۔ اور جس قدر فرمائی ہے کسی اور سزا سے اسے بدل نہیں دینا چاہیئے۔ کوڑوں کی بجائے کوئی اور سزا دینا اگر رحم اور شفقت کی بنا پر ہو تو معصیت ہے اور اگر اس خیال کی بنا پر ہو کہ کوڑوں کی سزا ایک وحشیانہ سزا ہے۔ تو یہ قطعی کفر ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ خدا کو خدا بھی ماننا اور اس کو معاذ اللہ وحشی بھی کہنا صرف انہی لوگوں کے لئے ممکن ہے جو ذلیل ترین قسم کے منافق ہیں۔

شفقت یا معصیت۔ رسول اکرمؐ کی ایک حدیث ہے۔ آپؐ نے بڑی وضاحت سے فرمایا۔ یوتیٰ لوال نقص من الحد سوطاً فیقال لہ لم فعلت ذالک فیقول رحمۃ لعبادک فیقال لہ انت ارحم منی فیومر بہ الی النار و یوتی بمن زاد سوطاً فیقال لہ لم فعلت ذالک؟ فیقول لینتھوعن معاصیک فیقول انت احکم بھم منی؟ فیومر بہ الی النار۔

(قیامت کے دن ایک حاکم لایا جائے گا۔ جس نے اللہ کی مقرر کردہ حد (سزا) میں سے ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا۔ یہ حرکت تو نے کیوں کی؟ وہ کہے گا۔ تیرے بندوں پر رحم کرتے ہوئے۔ ارشاد ہوگا۔ اچھا تو تو مجھ سے زیادہ ان پر مہربان تھا؟ پھر حکم ہوگا۔ اسے لے جاکر دوزخ میں ڈال آؤ۔ ایک دوسرا حاکم لایا جائے گا۔ جس نے مقرر حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کیا ہوگا۔ پوچھا جائے گا۔ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ وہ کہے گا۔ اس لئے کہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہوگا اچھا تو ان کے معاملے میں مجھ سے زیادہ حلیم تھا؟ پھر حکم ہوگا اسے جاکر دوزخ میں ڈال آؤ) (تفسیر کبیر جلد ۶ صـ ۲۲۵)

اس حدیث کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ کس طرح ایسی جسارت کرتے ہیں کہ اسلامی سزاؤں کے نفاذ میں انہیں وحشت و بربریت نظر آتی ہے۔ معاشرہ ٹھیک نہیں۔ ایسے لیڈروں کو عقل کے ناخن لینے چاہئیں۔

آیت سے تیسری بات یہ واضح ہوئی کہ شریعت کی سزا علی الاعلان چوراہے یا PUBLIC PLACE (میدان) میں دینی چاہیئے کہ مجرم ذلیل وخوار ہو اور عوام الناس کو عبرت حاصل ہو۔ چور کے ہاتھ کاٹنے پر بھی فرمایا۔ جزاء بما کسبا نکالاً من اللہ۔

(ان کے کئے کا اللہ کی طرف سے بدلہ اور مجرم کو روکنے والی سزا)

یہاں بھی فرمایا کہ زانی کو سرعام لوگوں کے سامنے کوڑے لگاؤ۔ اسلامی قانون میں سزا کے چار مقصد ہیں۔ اول یہ کہ مجرم سے اس کی زیادتی کا بدلہ لیا جائے اور اس کو برائی کا مزہ چکھایا جائے۔ دوم یہ کہ اسے اعادۂ جرم سے باز رکھا جائے۔ سوم یہ کہ اس کی سزا کو معاشرے میں عبرت بنادیا جائے تاکہ معاشرے میں جو دوسرے لوگ برے میلانات رکھنے والے ہوں ان کے دماغ کا اپریشن ہو جائے اور وہ اس طرح کے کسی جرم کی جرات نہ کر سکیں۔ چہارم یہ کہ اس دنیا میں شرعی سزا کے نفاذ سے آخرت میں اس گناہ کے بارے میں بازپرس نہ ہوگی۔ آخرت میں وہ اس سزا سے بری الذمہ قرار دے دیا جائے گا۔

یہ اسلامی تعزیرات کی حکمت ہے جس کی وجہ سے سعودی عرب میں جرائم کی شرح کم مگر امریکہ جیسے ترقی یافتہ اور خودساختہ مہذب ملک میں زیادہ ہے۔

صحابہ کرام اور ہم ۔ ایک طرف اسلامی نظام کے نفاذ کا دعویٰ اور دوسری طرف اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے گریز کرنے والے لیڈروں سے کیا ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا تعزیرات کے یہ احکامات صرف رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے معاشرے کے لئے شروع ہوئے تھے؟ کوڑوں اور ہاتھ کاٹنے کی سزائیں صرف صحابہ کرامؓ اور صحابیات کے لئے مخصوص تھیں۔ اور ہم صحابہ کرامؓ کی نسبت اس قدر زیادہ مہذب، شائستہ اور قابل عزت ونیک ٹھہرے ہیں۔ کہ ہمیں یہ سزائیں وحشت وبربریت نظر آتی ہیں۔ عہد نبوی میں اگر بنو مخزوم کی عورت کا ہاتھ کٹ سکتا ہے۔ بنو جہینہ کی عورت کو رجم اور ماعز بن مالک اسلمی کو سنگسار کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے کی پشت پر کوڑے برس سکتے ہیں تو اس دور میں کون ایسا صاحب عز وجاہ ہے۔ جو ان سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے۔ رئیس چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ فی الفور عدالتوں کو ایسے جرائم پر اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا حکم دے دیں۔

قانونِ شہادت قابل عمل ہے :۔ اسلام کے قانونِ شہادت پر بڑے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اور اسے ناممکن العمل گردانا جاتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ چونکہ ہمارے معاشرے میں جھوٹ

دروغ گوئی اور رشوت کے ذریعے جھوٹی شہادت دینے کا رواج بہت زیادہ ہے لہٰذا ہم اسلام کے معیارِ انصاف پر پورے نہیں اتر سکیں گے۔ یہ خدشات محض مفروضوں پر مبنی ہیں۔ یہ تسلیم کہ کچھ لوگ جھوٹی شہادتوں کا کاروبار چمکائیں گے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں اسلامی عدل وانصاف کا آغاز ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ اب بھی بہت سے بے گناہ جھوٹی شہادتوں کی بنیاد پر تختہ دار پر لٹکا دیئے جاتے ہیں۔ اور مجرم اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر انصاف کی آنکھ سے صاف بچ نکلتے ہیں۔ جس وجہ سے بہت سے لوگوں کا جھوٹ اور دروغ گوئی میں حوصلہ بڑھتا ہے۔ اس لئے کہ جھوٹی گواہی پر کوئی سزا نہیں ہے۔ اگر ہم اسلام کی تعزیرات نافذ کردیں تو ہمیں یقین ہے کہ یہ سلسلہ بھی بند ہوجائیگا اس لئے کہ جھوٹی گواہی ثابت ہونے پر جھوٹے گواہ کو بھی حد قذف کی سزا دی جائے گی۔ اسی قسم کے دیگر واقعات میں بھی جھوٹے گواہوں کو ۸۰ کوڑوں (حد قذف) کی سزا دی گئی تو معاشرہ آئندہ ایسے لوگوں سے پاک ہوجائے گا۔

سورہ نور میں ہے :۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ط (۲۴ : ۴)

(جو لوگ پاک دامنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ انہیں ۸۰ کوڑے لگاؤ اور جب تک توبہ کرکے راہ راست پر نہ آجائیں کبھی ان کی گواہی معتبر نہ جانو)

تعزیرات کے نفاذ کا آغاز کیجیے :۔ ایک لمحے کے لئے چار گواہوں کی شہادت سے صرف نظر کر لیجیے۔ لیکن خدارا مجھے سمجھایئے کہ ان مقدمات پر ہمارا ردِ عمل کیا ہے۔ جہاں کسی شہادت یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔ ماضی قریب کی اخباروں میں قتل کے دو تین مشہور مقدمات ہر قاری کی نظر سے گزرے ہونگے۔ ان کی بھیانک تفصیلات ہمارے سامنے آرہی ہیں۔ مثلاً سمن آباد کے ایک متمول احمد داد خاں کے اکلوتے لخت جگر "اعجاز احمد عرف پپو" کو صرف ۴۰ ہزار روپے کے مطالبے کی بنا پر انتہائی سفاکی سے گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ قاتل گرفتار ہو چکے ہیں۔ خود قاتلوں نے انشار احمد، افراق احمد رب نواز، بقر احمد نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا ہے۔ اب جبکہ جرم کا اعتراف عدالت میں مجسٹریٹ کے سامنے ہو چکا ہے تو ان مجرموں کو مزید کچھ عرصے کے لئے جیل میں رکھنے کا کیا جواز ہے؟ یہاں کسی شہادت کی ضرورت نہیں۔ ایسے خونخوار قاتلوں کو جلد سے جلد سرعام پھانسی دینی چاہیئے۔ تاکہ شریعت کا نفاذ پورا ہو سکے۔ اور شہریوں میں جان ومال کے تحفظ کا احساس پیدا ہو۔

دوسرا مشہور کیس عارف والا (ضلع ساہیوال) کے قریب ایک دیہات میں رات کے وقت سوتے میں گیارہ افراد کو جلا دینے کا ہے۔ ان افراد میں معصوم بچے بھی شامل ہیں۔ قاتل گرفتار ہو چکا ہے واردات کی تفصیلات اس نے خود بتائی ہیں۔ جرم کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ اب ایسے مقدمات میں کسی شہادت کی گنجائش باقی ہے؟ جو مقدمات شہادت طلب ہیں ان پر بغیر شہادت کے سزا نہ دی جائے شریعت کا تقاضا وہاں ہر صورت پورا کیا جائے۔ مگر جہاں جرم اس قدر واضح اور نمایاں ہو اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ ہو۔ وہاں خواہ مخواہ شک کا فائدہ (BENIFIT OF DOUBT) دینے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ ہمارے معاشرے میں رائج الوقت قانون (۱۹۳۵ کا انڈیا ایکٹ) کے مطابق پہلے ملزموں کے خلاف چالان عدالت میں پیش ہونگے۔ پھر سال ڈیڑھ سال مقدمات کی کارروائی جاری رہے گی۔ مجرم جیل میں سڑتا رہے گا۔ یہ بلا وجہ اس پر ظلم ہے۔ اگر رہا بھی ہو گیا تو عادی مجرم بن کر جیل سے باہر آئے گا۔ اگر اسے پھانسی کی سزا بھی سنا دی جائے تو دو تین سال اس کا جیل میں رہنا کس کھاتے میں ڈالا جائے گا؟ اس دوران فریقین اپنی زمینیں بیچ بیچ کر بھی وکیلوں کی فیسیں ادا کرتے رہیں گے حتیٰ کہ دونوں گھرانے دیوالیہ ہو جائینگے۔ اس سے کہیں زیادہ بہتر یہ نہیں ہے کہ مجرم کو زیادہ سے زیادہ سات دنوں میں باعزت بری کر دیا جائے یا جرم ثابت ہونے پر تختۂ دار پر کھینچ دیا جائے۔ جیسا کہ شاہ فیصل مرحوم کے کیس میں سعودی عرب میں ہوا۔

قاتل اور مجرم ہمدردی کے مستحق: ہماری بدبختی کی یہ انتہا ہے کہ ہم قاتلوں اور مجرموں کو تو اپنی مروت اور شفقت کا مستحق سمجھتے ہیں۔ مگر جس خاندان کے ساتھ ظلم ہوا اس کے ساتھ ہمیں کوئی ہمدردی نہیں پھر یہ کہاں لکھا ہے کہ جہاں شہادتیں پوری نہ ہوں، وہاں بھی قرآن کی حد جاری کر دی جائے؟ ایک آسان فہم بات یہ ہے کہ جہاں تین گواہ موجود ہیں، مگر ایک گواہ موجود نہیں۔ وہاں شریعت قرآنی حدود کو نافذ کرنے کا حق نہیں دیتی۔ یا اگر چار شہادتیں بھی موجود ہوں مگر حالات اور قرائن سے یہ بات ثابت ہو کہ یہ واقعہ حقیقت کے خلاف ہے، جرم کے ثبوت کے لئے شہادتیں ناکافی ہیں، یا شک کی بنیاد موجود ہے تو وہاں شک کا فائدہ ہر حال میں مجرم کو ملے گا۔

اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ حجتِ قاطعہ ہے کہ مغیرہؓ بن شعبہ (بصرہ کے گورنر) اور ابوبکرہ کے تعلقات آپس میں کشیدہ تھے۔ دونوں کے مکان ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ ایک روز ہوا کے زور سے دونوں مکانوں کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ ابوبکرؓ اپنی کھڑکی بند کرنے کے لئے اٹھے تو ان کی نگاہ حضرت مغیرہؓ کے کمرے میں جا پڑی۔ انہوں نے حضرت مغیرہؓ کو مباشرت میں مشغول دیکھا۔ اپنے تین دوست

(نافع بن کلاہ۔ زیاد۔ شبل بن معبد) جو اُن کے پاس موجود تھے۔ انہیں گواہ ٹھہرا لیا۔ دوستوں نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ ابوبکرہ نے کہا۔ اُم جمیل! مقدمہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے مغیرہ کو معطل کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بصرے کا گورنر مقرر کر دیا اور ملزم کو گواہوں سمیت طلب کیا۔ پیشی پر ابوبکرہ اور دو گواہوں نے کہا۔ ہم نے مغیرہ کو اُم جمیل کے ساتھ بالفعل مباشرت کرتے دیکھا ہے۔ مگر زیاد نے کہا۔ عورت صاف نظر نہیں آئی تھی۔ اور میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ اُم جمیل تھی۔ حضرت مغیرہ نے جرح سے یہ ثابت کر دیا کہ جس رخ سے یہ دیکھ رہے تھے۔ وہاں سے عورت کو صاف دیکھنا ممکن نہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ ثابت کی کہ ان کی بیوی اور اُم جمیل شکل و صورت میں بہت زیادہ ملتی جلتی ہیں۔ قرائن سے صاف طور پر یہ واضح تھا کہ حضرت عمرؓ کے دورِ حکومت میں ایک گورنر خود اپنے سرکاری مکان میں اپنی بیوی کی موجودگی میں ایک غیر عورت کو گھر بلا کر دن دہاڑے کیسے زنا کر سکتا تھا! حضرت عمرؓ نے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے بعد حضرت مغیرہؓ کو بری کر دیا۔

اس لحاظ سے اسلام کے انصاف کا معیار یہ ہے کہ گواہوں کی شہادتوں میں اگر معمولی سا بھی سقم موجود ہو تو شریعت کی حد نافذ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ یہاں ایک مسلمان کی جان کا معاملہ ہے۔ محض معمولی سزا کا معاملہ نہیں۔ ان واقعات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر تعزیرات سخت ہیں تو قانون شہادت بھی سخت ترین ہے۔ جہاں جرم کے ثابت ہو جانے پر اسلام مجرموں کو کسی قسم کی رورعایت دینے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے کہ اسلام کو مجرموں سے کوئی ہمدردی نہیں بلکہ مظلوموں (AGGRIEVED) کی دادرسی اس کا منشا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ۔

(اے عقل والو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے)

قرآن کا یہ روح پرور پیغام ہی انسانوں کے زخموں پر مرہم رکھ سکتا ہے۔ مجرموں سے ہمدردی کرنے والا معاشرہ سسکتے اور تڑپتے مظلوموں کے زخموں پر اور زیادہ نمک پاشی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ان گزارشات کی روشنی میں ہم چیف (مارشل لاء) ایڈمنسٹریٹر صاحب سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسے پیچیدہ پیچیدہ کیسوں سے شریعت کی سزاؤں کے فوری نفاذ کا حکم جاری کیا جائے۔ تاکہ پُرامن پُرسکون معاشرہ وجود میں آ سکے۔ مزید مہلت سے حالات دن بدن خراب ہو جائیں گے اور خدا نہ کرے ہم کسی ایسی منزل تک جا پہنچیں۔ جہاں سے واپس آنا ہمارے لئے مشکل ہو۔ عوام الناس سے ہماری درخواست ہے کہ آیئے ہم سب مل کر قرآن کے دامن سے چمٹ جائیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہوں۔ اور مداہنت و منافقت چھوڑ کر نظام مصطفےٰ کو اس کی صحیح